بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

ستمبر 2011ء

تعلیم الاسلام کالج اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 9

مجلس ادارت

مدیر: مقصود الحق

معاون مدیر: مبارک احمد صدیقی و سید نصیر احمد

Ph. No. +44 (0) 20 87809026

E-mail : editoralmanar@hotmail.com

فرمان الٰہی

یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔ وہ جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ (کا حق) ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے نہیں یا اُن سے (بھی نہیں) جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ پس یقیناً وہ ملامت نہیں کئے جائیں گے۔ پس جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظ بنے رہتے ہیں۔ یہی ہیں وہ جو وارث بننے والے ہیں۔ (یعنی) وہ فردوس کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (سورۃ المؤمنون آیات 2 تا 12 کا ترجمہ)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کی اپنی ہی کھوئی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ اسے چاہئے کہ جہاں سے بھی اسے پائے لے لے۔ کیونکہ وہی اس کا بہتر حق دار ہے۔ (ترمذی)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

☆ مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا۔

☆ انسان مومن کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کفر اس سے مایوس نہ ہو جائے۔ (صفحہ 27)

☆ مومن کی ہر چیز بابرکت ہو جاتی ہے۔ (صفحہ 40)

☆ مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دے کر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے۔ (صفحہ 41)

☆ پکا مومن وہ ہے جس کسی سہارے پر عبادت نہیں کرتا۔ (صفحہ 132)

☆ مومن کو اس امر میں کوشاں رہنا چاہئے کہ کوئی بھلائی اس کے ہاتھ سے ہو جائے۔ (صفحہ 287)

☆ مومن کو اپنا وجود ایک سایہ دار اور پھلدار درخت کی طرح بنانا چاہئے۔ (صفحہ 289)

(از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 7)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

ہر احمدی کو چاہئے کہ وہ اپنے عہدِ بیعت کو قائم رکھنے کے لئے، اپنے ایمان کو قائم رکھنے کے لئے، ہر حالت میں صِدق اور تقویٰ کا اظہار کرتا چلا جائے۔

(از خطبہ جمعہ فرمودہ 22 اپریل 2011ء)

قارئین المنار کی خدمت میں ہدیۂ

حاصل مطالعہ

دل میں امید جگمگا اُٹھی

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تحریر فرمودہ تفسیر کبیر سے ایک پرلطف اور ایمان افروز اقتباس قارئین المنار کی خدمت میں پیش ہے۔

سرحد کے ایک رئیس چوہدری فقیر محمد صاحب اگزیکٹو انجینئر تھے وہ ایک دفعہ دہلی میں مجھے ملے اور انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہم چار بھائی ہیں جن میں سے دو بھائی غیر احمدی ہیں اور دو بھائی احمدی ہیں۔ اپنے متعلق انہوں نے کہا کہ میں ابھی تک آپ کی جماعت میں شامل نہیں ہؤا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کیوں احمدی نہیں ہوئے کیا آپ کو احمدیت کی صداقت کے متعلق کوئی شبہ ہے؟ ان کی طبیعت میں مذاق تھا وہ میرے اس سوال کے جواب میں کہنے لگے کہ مجھے تو ابھی تک احمدیت پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا لیکن بات یہ ہے کہ ہم پورا پورا انصاف کرنے کے عادی ہیں۔ روپیہ میں سے اُٹھنّی ہم نے آپ کو دیدی ہے اور اُٹھنّی دوسرے مسلمانوں کو دے دی ہے۔ میں نے بھی اُن سے مذاقاً کہا کہ خاں صاحب ہم تو اُٹھنّی پر راضی نہیں ہوتے ہم تو پورا روپیہ لے کر چھوڑا کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگے تو پھر اپنی توجہ سے لے لیجئے۔ میں نے کہا ہماری کوشش تو یہی ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا بقیہ اُٹھنّی بھی مل جائے گی۔ وہ اُسوقت مع اہل وعیال انگلستان کی سیر کو جا رہے تھے میری اس بات کو سُن کر انہوں نے کہا کہ خان محمد اکرم خان صاحب چارسدّہ والے میرے بھائی ہیں انہوں نے آپ کی بعض کتابیں میرے ٹرنک میں رکھ دی ہیں۔ میں نے ان سے کہا بھی ہے کہ میں تو وہاں سیر کیلئے جا رہا ہوں ان کتابوں کو پڑھنے کا موقع کہاں ہوگا مگر وہ مانے نہیں اور زبردستی میرے ٹرنک میں انہوں نے کتابیں رکھ دی ہیں مگر اب تک مجھے پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ولایت چلے گئے۔ ابھی تین مہینے ہی گذرے تھے کہ مجھے ایک چٹھی پہنچی۔ اس کے شروع میں ہی یہ لکھا تھا کہ میں اصل مطلب لکھنے سے پہلے آپ کی شناخت کے لئے یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ میں وہ ہوں جو آج سے تین ماہ پہلے دہلی کے شاہی قلعہ میں آپ سے ملا تھا اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہم نے پورا پورا انصاف کیا ہے اُٹھنّی آپ کو دے دی ہے اور اُٹھنّی غیر احمدیوں کو دے دی ہے جس پر آپ نے کہا تھا کہ ہم تو پورا روپیہ لے کر چھوڑا کرتے ہیں سو آپ کے حکم کے مطابق اب ایک اور چوّنی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو بیعت میں شامل کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے اسی مضمون کی طرف جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں اشارہ کیا اور لکھا کہ جب میں ولایت میں آیا اور میں نے مختلف مقامات کی سیر کی تو گو میں پٹھان ہوں اور مذہبی جوش میرے دل میں موجود ہے مگر کفر کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر میرا دل پژمردہ ہوتا چلا گیا اور میں نے کہا کہ اسلام اس قدر گر چکا ہے اور کفر اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اب بظاہر اسلام کے پنپنے اور کفر کے سرنگوں ہونے کا دنیا میں کوئی امکان نہیں۔ اسلام مر چکا ہے اب اُس کے زندہ ہونے کی امید ایک واہمہ سے بڑھ کر حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ خیالات تھے جو میرے دل پر غالب آتے چلے گئے اور اس قدر میرے دل میں مایوسی پیدا ہوئی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اسلام دنیا پر غالب نہیں آ سکتا۔ ایک دن میرے دل پر اس خیال کا بے انتہاء اثر ہوا اور حالت مایوسی میں مَیں نے کہا آؤ ان کتب کو پڑھ کر دیکھو جو میرے بھائی نے میرے ٹرنک میں رکھدی تھیں چنانچہ پہلے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' نکلی اور اُسے میں نے پڑھا اس کے بعد آپ کی کتاب ''دعوۃ الامیر'' نکلی اور اُسے میں نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے اس کتاب میں وہی ذکر آ گیا جس نے میرے دل میں انتہائی طور پر مایوسی پیدا کر دی تھی یعنی اسلام کے تنزّل اور اس کے ادبار کا اس میں ذکر تھا مگر ساتھ ہی بتایا گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے تنزّل کے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی جو پوری ہو گئی۔ وہ پیشگوئی کی تھی جو پوری ہو گئی۔ غرض یکے بعد دیگرے اسلامی تنزّل کے متعلق کئی پیشگوئیاں تھیں جو پڑھنے میں آئیں اور جو واقعہ میں پوری ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ترقی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئیاں پوری ہو گئیں جو اسلام کے تنزّل کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں تو وہ پیشگوئیاں کیوں پوری نہیں ہوں گی جو اسلام کے دوبارہ غلبہ کے متعلق ہیں۔ میں نے جب یہ مضمون پڑھا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ مایوسی میرے دل سے جاتی رہی۔ امید جگمگا اُٹھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اُس وقت تک سونے کے لئے اپنے بستر پر نہیں جاؤں گا جب تک آپ کو اپنی بیعت کا خط نہ لکھ لوں۔ چنانچہ سونے سے پہلے میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں میری بیعت کو قبول کیا جائے۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ 196-197)

دائمی عید

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عیدوں کے موقع پر اپنے غریب ہمسایوں، ضرورتمندوں کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کریں ان کے کچھ غم ان کے گھروں میں جا کر دیکھیں اور ان کے غم بانٹیں اپنی خوشیاں ان کے پاس لے کر جائیں اور اپنی خوشیاں ان کے ساتھ بانٹیں یا اپنے گھر میں ان کو بلائیں غرضیکہ غریبوں کے ساتھ عید کرنے سے بہتر دنیا میں اور کوئی عید نہیں خدا آپ کو غریبوں کی خدمت میں زیادہ ملے گا۔ اور یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جس نے کبھی خطا نہیں کی۔ جو خدا کے بےکس مجبور بندوں سے پیار کرتا ہے لازماً خدا اس سے پیار کرتا ہے کبھی اس میں کوئی تبدیلی تم نہیں دیکھو گے۔ اپنی عیدوں کو غریبوں کی خدمت سے سجالیں...... پھر آپ کی عید ایسی ہوگی جو زمینی عید نہیں رہے گی بلکہ آسمان پر بھی یہ عید کے طور پر لکھی جائے گی اور اس کی خوشیاں دائمی ہوں گی اور اس کی برکتیں دائمی ہوں گی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 مارچ 1993ء)

یادوں کے دریچے

بات بارہ آنے کی نہیں!

مطیع اللہ درد

ہم دونوں ٹی آئی کالج ربوہ کے برآمدے میں سر جوڑے کھڑے تھے۔ اور اس سوچ میں تھے کہ آخر کیا کیا جائے؟ مسئلہ ہی کچھ ایسا آن پڑا تھا جسے حل کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی دوران میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے اپنے دوست میاں پاشا (نواب شاہد احمد خان صاحب پاشا) سے کہا ذرا ٹھہرو میں ابھی آیا۔ یہ کہہ کر میں پرنسپل صاحب کے دفتر کی طرف چل پڑا۔ اور دفتر کے دروازے پر آویزاں چق کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چند ہی لمحوں بعد آواز آئی مطیع اندر آجاؤ۔ میں نے چق اُٹھائی اور اندر چلا گیا۔ پرنسپل (حضرت میاں ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ) نے دریافت فرمایا کیا بات ہے کیسے آئے ہو؟ میں نے جھجکتے ہوئے عرض کیا بات وات تو کوئی ایسی خاص نہیں آپ نے مجھے اندر بلایا ہے آپ ہی فرمائیں کہ کیا ارشاد ہے۔ اچھا اگر بات کوئی نہیں تھی تو میرے دفتر کے سامنے کھڑے کیا کر رہے تھے؟ سیدھی طرح بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟ میں نے سر کھجاتے ہوئے عرض کیا دراصل کچھ پیسوں کی ضرورت تھی اس لئے ...... پیسوں کی ضرورت کیوں پڑ گئی تمہیں؟ مجھے بھی تو پتہ لگے۔ میاں صاحب بتا نہیں سکتا مگر ضرورت ہے بڑی شدید۔ اچھا ٹھہرو میں اپنی جیب میں دیکھتا ہوں آگے تمہاری قسمت کہ جیب میں سے کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اچکن کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس میں سے صرف بارہ آنے نکلے۔ یہ لو اور بھاگو یہاں سے۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور فاتحانہ شان کے ساتھ بھاگتا ہوا میاں پاشا (صاحب) کے پاس واپس پہنچ گیا۔ اور اپنی مٹھی ان کے سامنے کھول دی اور سارا ماجرا بیان کیا۔ میاں پاشا (صاحب) حیرانگی سے میرا چہرہ تکنے لگے اور پھر ہم دونوں ٹک شاپ کی طرف چل دیئے۔

ساتھیو! لیکن یہ محض بارہ آنے تو نہیں تھے۔ وہ تو بارہ لاکھ بلکہ بارہ کروڑ سے بھی بڑھ کر تھے جو اس محبت کرنے والے وجود نے عطا کئے تھے۔ سچ ہے کہ آپ پرنسپل کم اور محبت کے خوگر زیادہ تھے۔ اللہ آپ کو ابدالآباد تک اپنی رحمت و مغفرت اور اپنی قربت و محبت سے آسودہ و شاد رکھے۔ آمین۔ (مطیع اللہ درد)

اس وقت تو ہم جاتے ہیں کل آئیں گے

مکرم محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی بیان کرتے ہیں:

ایک رات حسب معمول حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب درس دے رہے تھے کہ یکایک شہر کے چار پانچ مولوی نما اصحاب تین چار بہت موٹی موٹی کتابیں بغل میں دابے آن کر خاموش بیٹھ گئے۔ درس سے فارغ ہو کر حضرت میر صاحب نے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولے کہ آپ سے بحث کرنے کے لئے آئے ہیں اور یہ تفسیریں اپنے ساتھ لائے ہیں۔ حضرت میر صاحب نے مسکرا کر میری طرف دیکھا میں مطلب سمجھ گیا اور دوسرے کمرہ میں اپنی لائبریری میں سے جتنی موٹی موٹی کتابیں تھیں (خواہ کسی مضمون کی اور کسی زبان کی) لا لا کر حضرت میر صاحب کے سامنے ڈھیر لگا دیا جنہیں دیکھ کر وہ لوگ بڑے سٹ پٹائے اور نہ معلوم انہوں نے کیا سمجھا کہ آپس میں کچھ سرگوشی کر کے کہنے لگے: ''اس وقت تو ہم جاتے ہیں۔ کل آئیں گے۔'' مگر وہ کل کبھی نہ آئی۔

(روزنامہ الفضل قادیان، 6 نومبر 1941ء صفحہ 6 کالم 1-2)

آئینہ ہاتھ میں۔ نظر دھندلائی ہوئی

پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان

1963 کا سال اور ستمبر کی 7 تاریخ تھی۔ چوتھے پیریڈ کی گھنٹی بجے پانچ منٹ گزر چکے تھے کہ حاضری رجسٹر لئے دھڑکتے دل کے ساتھ میں تعلیم الاسلام کالج کے بیالوجی تھیٹر میں داخل ہوا۔ بیہوشی کی سی کیفیت میں السلام علیکم کہا۔ وعلیکم السلام ......اور کچھ کھانسنے اور کھنگارنے کی آوازوں کے جلو میں ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے Slow motion میں جوابی سلام سے پہلا استقبال ہوا۔ میں نے پلیز sit down کہا۔ باہم تعارف ہوا۔ میری نظروں نے سنجیدہ، غیر سنجیدہ اور تند و تیز نگاہوں کو مارک کیا۔ مجھے کیسے جانچا گیا اس کا علم نہیں۔ بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ ایک آئینہ خانے میں تھا۔

امتحان پر امتحان پاس کرتے چلے جانا اور پھر ایک دن استاد کی حیثیت سے 70/80 طلباء کے سامنے کلاس روم میں جا اترنا، 45 منٹ تک تند و تیز اور مسلسل گھورتی ہوئی آنکھوں کے نشانے پر ہونا کسی معرکے سے کم تو نہیں۔ استادی اور شاگردی کے سفر کا یہ پہلا قدم تو بہر حال ہر ٹیچر کو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ اس کٹہرے میں استاد کی ذرا سی بے سُری حرکت اُس کی ہنسی اُڑانے والوں کے قہقہوں کی برکھا لا سکتی ہے۔

لیکچر کے دوران 70/80 آنکھوں کے آئینوں میں استاد کو اپنی کاوش کی عکسی تصویر لمحہ بہ لمحہ دکھائی دیتی رہتی ہے۔ طلباء کے چہروں کے اُتار چڑھاؤ سے ایک حد تک اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے کہ پیغام صحیح مقام پر پہنچا۔ یا نہیں؟ استاد کے طور پر جب اپنے 36 سالہ سفر پر نگاہ ڈالتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ میں نے تو اپنے شاگردوں سے بہت کچھ سیکھا۔ کیا میرے شاگرد بھی مجھ سے کچھ سیکھ پائے؟ اس کی ایک جھلک آپ کو دکھاتا ہوں۔

اُن دنوں جبکہ ہم ربوہ میں عید اور جمعہ کی نمازوں کے لئے مسجد اقصیٰ جایا کرتے تھے۔ کوئی ایسا ہی موقعہ تھا کہ نماز کے بعد میں مسجد سے باہر نکل کر بوٹوں کے تسمے باندھ رہا تھا اور باہر نکلنے والے لوگ میرے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے کہ دفعتاً ایک آواز نے چونکا دیا۔

''السلام علیکم۔ سر!'' نظر اُٹھا کر دیکھا تو چہرہ شناسا لگا۔ وعلیکم السلام بیٹا! سر میں آپ سے 1972 میں پڑھتا رہا ہوں۔ آجکل ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کا سٹینو ہوں۔ اچھا بیٹا! اللہ مبارک کرے۔ کچھ دیر بعد سماعت سے پھر ''السلام علیکم۔ سر!'' کی آواز ٹکرائی۔ اسکا بھی چہرہ دیکھا دیکھا سا لگا۔ سر! میں آپ سے 1979 میں پڑھتا رہا ہوں۔ کیا کر رہے ہو میں نے پوچھا؟ سر! میں نے جھنگ شہر میں پاور لومیں لگائی ہوئی ہیں۔ اچھا بیٹا اللہ برکت دے! اور پھر میں وہاں سے گھر کی جانب ایسے بھاگا جیسے کوئی چور۔ یہ سب بچے میرے پاس ڈاکٹر، پروفیسر اور سائنٹسٹ بننے آئے تھے۔ یہ کیا؟ میں انہیں پڑھانے میں ڈنڈی مارتا رہا؟ یا انہیں میرے سبجیکٹ میں سرے سے دلچسپی ہی نہ تھی یا میں اتنا حسین و جمیل تھا کہ وہ ہر روز تیس چالیس منٹ تک میرے روئے تاباں کا نظارہ کئے رہے؟ اس بات کا جواب شاید کوئی میرا شاگرد ہی دے پائے۔ مجھے یوں لگا کہ میرے ہاتھ میں آئینہ ہے۔ اور نظر دھندلا سی گئی ہے۔

شعری مغالطے

بعض اشعار، تخلیق کسی نے کئے اور مقبول کسی اور کے نام سے ہوئے

(از ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی)

ایک دن ہم وطن عزیز کے دگرگوں حالات پر افسردہ بیٹھے تھے کہ بلائے ناگہانی کی طرح ایک دوست آن ٹپکے۔ ہم سے افسردگی کی وجہ دریافت کی، جس کا سرسری ذکر کرنے کے بعد ہم نے اُن سے پوچھا کہ ''چائے سے شوق فرمائیں گے، یا ٹھنڈے کا بندوبست کیا جائے؟'' تاہم وہ ہمیں اُس کیفیت سے باہر نکالنے پر مُصر نظر آئے جو آج کل ہم پر کچھ زیادہ ہی طاری ہے۔ ہماری ڈھارس بندھاتے ہوئے کہنے لگے ''فکر کی بات نہیں۔ علامہ اقبال فرما گئے ہیں ۔

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب
یہ تو چلتی ہے، تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ہم نے کہا ''آپ نے ہماری مایوسی میں اور اضافہ کر دیا۔'' بولے ''کیا شعر حسب حال نہیں؟'' ہم نے عرض کیا ''وہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ شعر علامہ اقبال کا نہیں، بلکہ سیالکوٹ کے ایک وکیل، شاعر صادق حسین صادق کا ہے۔'' وہ یہ سن کر حیران رہ گئے۔

❁ ہم نے انہیں بتایا کہ ایک اور شعر غلط طور پر علامہ اقبال سے منسوب کیا جاتا ہے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

موصوف ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائے ''یہ شعر بھی علامہ اقبال کا نہیں ہے؟'' ہم نے انہیں مطلع کیا کہ یہ مشہور زمانہ شعر، جو دراصل ایک قرآنی آیت کی تشریح ہے، مولانا ظفر علی خان کا ہے۔

❁ نہ جانے کس طرح بعض اشعار غلط طور پر بعض دوسرے شاعروں کے کھاتے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ چند ایک کے ساتھ دُہرا ظلم ہوا کہ اُن میں تحریف بھی کر دی گئی۔ ایسا ہی ایک شعر عموماً اس طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے ۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

حیرت ہے، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے جیّد عالم اور ادیب نے ''غبار خاطر'' میں یہ شعر اسی طرح لکھا ہے۔ اول تو یہ شعر میر کا نہیں، بلکہ امیر کا ہے۔ وہ بھی امیر مینائی نہیں، بلکہ محمد یار خان امیر (متوفّی 1775ء) کا ہے۔ دوسرے صحیح شعر اس طرح ہے ۔

شکست و فتح میاں اتفاق ہے، لیکن
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

❁ اس ضمن میں شاید سب سے زیادہ ظلم پنڈت مہاراج بہادر برق کے شعر اور خود پنڈت جی کے ساتھ ہوا۔ اُن کا ایک جگمگاتا ہوا شعر ہے ۔

وہ آئے بزم میں، اتنا تو برقؔ نے دیکھا
پھر اُس کے بعد، چراغوں میں روشنی نہ رہی

یہ شعر بھی میرؔ صاحب کا قرار دے کر پہلا مصرع یوں ادا کیا جاتا ہے،

''وہ آئے بزم میں، اتنا تو میرؔ نے دیکھا''

❁ گزشتہ دنوں اردو کے ایک انتہائی ثقہ ادیب کے اخباری کالم میں میر دردؔ کا ایک مشہور شعر یوں ملا ۔

تہمتیں، چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے، اور کیا کر چلے

صحیح شعر اس طرح ہے ۔

تہمتِ چند، اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے، سو ہم کر چلے

❁ اسی کالم میں سبط علی صاحب صباؔ کا ایک مقبول شعر اس طرح لکھا گیا تھا ۔

دیوار کیا گری، مرے کچّے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں، رستے بنا لئے

فی الحقیقت پہلے مصرعے میں ''کچّے'' کی جگہ ''خستہ'' ہے۔

❁ کچھ عرصے قبل ایک اخبار (جنگ نہیں) میں حسب ذیل قطعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ۔

کیا ظلم کی، بھتے کی مذمت ہے زباں پر
کیا عدل کی، انصاف کی، اب بات کرو ہو
کیا خوب کہا تھا، یہ کبھی میرؔ نے راجا
''تم قتل کرو ہو کہ، کرامات کرو ہو''

''کرو ہو'' کے الفاظ سے قطعہ نگار نے اندازہ لگا لیا کہ یہ میرؔ کا شعر ہے، جب کہ یہ بھارت کے معروف شاعر کلیم عاجزؔ کا شعر ہے۔ یہ پوری غزل اُن کے مجموعۂ کلام ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' میں شامل ہے۔ ہم نے محترم قطعہ نگار کو غزل کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال کی اور اُن سے درخواست کی کہ قارئین کی رہنمائی کی غرض سے اس کی تصحیح کر دیں۔ انہوں نے تصحیح تو درکنار، ہمارے خط کی رسید دینے کی بھی جرأت نہیں کی۔

❁ ساہیوال کی باکمال شاعرہ، بسمل صابری کا ایک زبان زدِ خاص و عام شعر ہے ۔

وہ عکس بن کے، مری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے، پانی کے گھر میں رہتا ہے

اس شعر کے ساتھ یہ ستم ظریفی ہوئی کہ پہلے مصرعے میں ''عکس'' کے بجائے ''اشک'' کہا جاتا ہے۔ کہنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ آنکھوں میں اشک ہر وقت نہیں رہ سکتا۔ ہاں (عشق کی شدت کے باعث) ''عکس'' ہر وقت ہوسکتا ہے۔

❁ انشاء کا شعر ہے ۔

ہزار شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی، سن کی سی
مگر وہ بات کہاں، مالوی مدن کی سی

شعر کے دوسرے مصرعے میں پنڈت مدن موہن مالوی کا ذکر ہے، لیکن کسی مرحلے پر اس میں تحریف ہوئی اور مصرع یوں ہوگیا ۔

"مگر وہ بات کہاں، مولوی مدن کی سی"

- مومنؔ کا ایک مشہور زمانہ شعر ہے ۔

اُس غیرتِ ناہید کی، ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے، آواز تو دیکھو

دوسرے مصرعے میں "چمک" کی جگہ "لپک" لکھا اور بولا جاتا ہے۔

- مصطفیٰ زیدی کا ایک شعر یوں مشہور ہے ۔

ان ہی پتھروں پہ چل کر، اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں، کوئی کہکشاں نہیں ہے

یہ غزل "کلیاتِ مصطفیٰ زیدی" میں بھی موجود ہے اور وہاں دوسرے مصرعے میں کوئی کی جگہ "کہیں" ملتا ہے۔

- غالبؔ کا ایک شعر یوں پڑھا جاتا ہے ۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

صحیح شعر یوں ہے ۔

جی ڈھونڈتا ہے، پھر وہی فرصت، کہ رات دن
بیٹھے رہیں ، تصورِ جاناں کئے ہوئے

- ایک "شعر" کو لوگ عموماً اس طرح پڑھتے ہیں ۔

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

دراصل یہ ایک مصرعہ ہے۔ مرزا صادق شررؔ کا پورا شعر یوں ہے ۔

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم
نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

- ایک شعر کے دوسرے مصرعے کی اکثر حضرات کو تلاش رہتی ہے۔ شعر حاضر ہے ۔

ہے اہلِ گلستاں کے ہاتھوں، تزئین چمن کا یہ عالم
ہر شاخ پہ اُلّو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا

- حرفِ آخر یہ کہ تحریر چاہے نثری ہو یا شعری، اُس میں کسی نہ کسی قسم کی غلطی کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان اصلاح کی طرف مائل رہے۔ ہم نے اس ضمن میں تھوڑا بہت سیکھا ہے، وہ اسی اصلاحی عمل کی بدولت ہے ورنہ ۔

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم (میرؔ)

(بحوالہ جنگ لندن 18 اگست 2011ء)

غریب خانہ/ دولت خانہ

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مجھے ایک واقعہ یاد آیا ہے ریل میں ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ جناب کا دولت خانہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب آجکل یہ دستور ہو رہا ہے کہ پوچھنے والا بتلاتا ہے کہ میرا غریب خانہ وہاں ہے، ان دو الفاظ کا استعمال سائل و مسئول کے واسطے تہذیب میں داخل ہے ممکن ہے کہ جواب دینے والے صاحب کا خانہ اصلی معنوں میں ہی غریب خانہ ہو اور ممکن ہے کہ بسبب انکسار ان کے واسطے ایسا ہی جواب میں کہنا مناسب ہو لیکن یہ بات ہے کہ میرا معاملہ خاص ہے میرے قبضہ میں ایک غریب خانہ ہے اور ایک دولت خانہ بھی میرا ہے اگر میں آپ کو اپنا غریب خانہ ہی بتلاؤں تو یہ کافی نہ ہوگا اور اگر میں آپ کو اپنا دولت خانہ بتلاؤں جس کا ذکر میرے واسطے موجب فخر ہے تو آپ شاید دل میں ظن کریں گے کہ یہ شخص مہذب گفتگو سے ناواقف ہے اِس لئے میں آپ کی اجازت سے ہر دو کا ذکر کر دیتا ہوں میرا غریب خانہ تو بھیرہ ضلع شاہ پور (حال ضلع سرگودھا۔ ناقل) میں ہے جہاں میں پیدا ہوا تھا میرے آباء و اجداد کا بنایا ہوا غریب خانہ جھونپڑا اب تک وہاں موجود ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک دولت خانہ تک رسائی بخشی ہے جہاں سے مجھے ظاہری اور باطنی دولت ملتی ہے وہ دولت خانہ قادیان میں ہے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ

(اخبار بدر قادیان۔ 27 اکتوبر 1910ء صفحہ 13)

جتنی دفعہ اُسے بلائے گا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں کسی نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام اَسْتَغْفِرُ اللہ رکھا ہے۔ فرمایا اچھا ہے جتنی دفعہ اس کو بلائے گا خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے گا۔

(ہفت روزہ بدر قادیان۔ 22 ستمبر 1905ء صفحہ 2 کالم 2)

وصل کا سبز پھر شجر کر دے
دورِ فرقت کو مختصر کر دے
ساری دنیا ہے یوں تو گھر "اُن کا"
پھر سے ربوہ کو "اُن کا" گھر کر دے
(مقصود الحق)

ربوہ کی نسبت حیرت انگیز آسمانی خبریں

20 ستمبر 1948ء جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے دارالہجرت ربوہ کی بنیاد رکھی۔اس حوالہ سے ایک علمی اور تحقیقی مضمون محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم و مغفور کے قلم سے رسالہ خالد ربوہ ستمبر 1990ء میں شائع ہوا اور بعدازاں ماہنامہ مشکوٰۃ قادیان کے ربوہ نمبر میں اپریل 2006ء میں طبع ہوا۔اس معلوماتی مضمون کا آخری حصہ اس جگہ پیش خدمت ہے۔(ایڈیٹر)

اب آخر میں ربوہ کی نسبت چار حیرت انگیز آسمانی خبروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو 1900ء سے 1944ء کے دوران جناب الٰہی کی طرف سے امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور بعض اور بندوں کو دی گئیں اور قیام ربوہ کی شکل میں لفظاً لفظاً پوری ہوئیں۔اس پہلو سے 20 ستمبر 1948ء کا دن قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔انشاءاللہ۔

پہلی خبر

پہلی خبر خود حضرت فضل عمرؓ کو متعدد رویاء کے ذریعہ دی گئی جو بہت سے اخبار غیبیہ پر مشتمل تھے جن میں یہاں تک منکشف کر دیا گیا کہ:۔

۱۔قادیان اور اس کے گردونواح میں دشمن یکا یک حملہ آور ہوجائے گا۔

۲۔دشمن کی طرف سے خفیہ رنگ میں جنگ ہوگی۔

۳۔قادیان سے جالندھر تک خوفناک تباہی آئے گی اور لوگ نیلا گنبد یعنی آسمان تلے پناہ لیں گے۔

۴۔دشمن قادیان کی بستی پر بھی غالب آجائے گا البتہ مسجد مبارک کا حلقہ محفوظ رہے گا۔

۵۔حضرت امام جماعت احمدیہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ایک میدان میں نیا مرکز تعمیر کریں گے اور یہ واقعہ پسر موعود سے متعلق انکشاف (1944ء) کے بعد پانچ سال کے عرصہ میں ہوگا۔

۶۔اس انقلاب انگیز واقعہ کے بعد خدا کا نور تمام دنیا میں جائے گا یہاں تک کہ دُنیا کا ایک انچ حصہ بھی باقی نہیں رہے گا جہاں خدا کا یہ نور نہیں پہنچے گا۔(جیسا کہ ایم۔ٹی۔اے کے ذریعہ سے پوری دُنیا پر نور کا نزول ہورہا ہے۔)

حضرت امام ہمام کی جملہ رویاء جن میں یہ سب تفصیلات موجود ہیں، الفضل 21 دسمبر 1941ء اور 2 جون 1944ء میں شائع شدہ ہیں اور اس بات کا دستاویزی ثبوت ہیں کہ

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

دوسری خبر

دوسری خبر داتہ ضلع ہزارہ کے ایک بزرگ سید میر گل شاہ صاحب کو دی گئی چنانچہ انہوں نے 4 رمضان المبارک 1317 ہجری بمطابق 5 جنوری 1900ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا کہ

”آج یکم رمضان شریف کی شب کو مجھے اللہ تعالیٰ نے دکھلایا ایک نقشہ کاغذ کا ہے جس کی خوبصورتی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس نقشہ پر جلی قلم سے قادیان کا نام لکھا ہوا ہے اور اس نقشہ سے اوپر کی طرف ایک اور نقشہ ہے جو کسی اور مقدس شہر کا ہے جس کا نام فدوی کو بھول گیا ہے۔“

یہ مکتوب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ضلع جھنگ کے اولین احمدی مرزا خدا بخش صاحب کے ہاتھوں سے افتتاح ربوہ سے سینتالیس برس پیشتر ان کی کتاب ”عسل مصفّٰی“ صفحہ 760 پر اپریل 1901ء میں شائع کرا دیا جو مصلحت خداوندی کا زبردست کرشمہ ہے۔وجہ یہ ہے کہ موصوف اپنی زندگی کے آخری دور میں غیر مبائع حضرات سے منسلک ہوگئے تھے جن کے اہل قلم رہنما جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اخبار ”پیغام صلح“ لاہور مورخہ 15 ستمبر 1934ء صفحہ 19 پر سیدنا محمود پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا۔

”بنا بنایا کام بنی بنائی جماعت بنی بنائی قومی جائدادیں سکول، بورڈنگ روپیہ خزانہ سبھی کچھ بنا بنایا مل گیا قادیان کا مرکز اور مسیح موعود کا بیٹا ہونا کام بنا گیا۔قادیان کی گدی نہ ہوتی مسیح موعود کا بیٹا نہ ہوتے اور کہیں باہر جا کر میاں محمود اپنے عقیدہ......کو پھیلا کر دکھاتے اور پھر نئے سرے سے جماعت بنتی اور ترقی کرتی تو کچھ بات تھی۔“

خدا کی قدرت! اس تحریر پر ابھی چودہ سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ تحریک احمدیت کے اولوالعزم قافلہ سالار اور قدرت ثانیہ کے اسی دوسرے مظہر نے ربوہ جیسے عظیم الشان عالمی مرکز کی اپنے دستِ مبارک سے بنیاد رکھ دی۔ربوہ کی برق رفتار ترقی دیکھ کر نسیم حجازی نے اپنے اخبار ”کوہستان“ کی یکم جنوری 1955ء کی اشاعت میں الطاف سرحدی کے قلم سے یہ نظریہ پیش کیا کہ۔

”مغربی پاکستان کے دارالسلطنت کے لئے نہ لاہور موزوں ہے، نہ پشاور اور نہ راولپنڈی، اس کے لئے موزوں جگہ قادیانیوں کا مرکز ربوہ ہے۔“

صاف دل کو کثرت اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشان کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار

تیسری آسمانی خبر

تیسری آسمانی خبر حضرت چوہدری غلام حسین صاحب (ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مرحوم کے تایا جان) متوطن جھنگ کو عطاء ہوئی جن کے ضلع میں اور جن کی زندگی میں ربوہ کی تعمیر مقدر تھی۔

آپ 1932ء میں عہدہ ڈسٹرکٹ انسپکٹری سے ریٹائرڈ ہوکر تشریف لے آئے اور پھر ملک معظم ابن سعود والی حجاز ونجد کو اپنی خدمات پیش کرنے کے بعد 1947ء تک قادیان میں قیام فرمارہے پھر ہجرت کرکے اپنے وطن جھنگ میں آ گئے اور یہیں وفات پائی۔

حضرت چوہدری صاحب نے الفضل 9مارچ 1945ء صفحہ 4 پر ایک ایمان افروز نوٹ شائع کیا کہ (1932ء سے قبل) کرنال میں سرکاری ملازمت کے دوران آپ نے متضرعانہ دعائیں کیں ''الٰہی تین کو چار کرنے'' میں کیا راز ہے؟ اس پر آپ کو عالم رویاء میں یہ حقیقت افروز نظارہ دکھایا گیا کہ

''دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان میدان ہے۔اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصلح موعود کا جلسہ ہے اور خوب چہل پہل ہے۔خدام کام کر رہے ہیں اور دو پہاڑیوں کے درمیان ایک سڑک بنا ڈالی ہے......سامنے کی پہاڑی پر میں......اونچی سریلی آواز سے یہ شعر جو حضرت مسیح موعود ہی کا ہے وقفوں کے ساتھ بولتا ہوں۔

نگاہ رحمت جاناں عنایت ہا لمن کرد است
وگرنہ من کسے یا بدبایں رشد وسعادت را

یعنی خدا تعالیٰ کی نظر کرم نے مجھ پر عنایت فرمائی ہے وگرنہ میں یہ رشد و ہدایت کیسے پا سکتا تھا۔

سبحان اللہ حق تعالیٰ نے برس ہا برس قبل جبکہ ربوہ کا کوئی تصور بھی کسی فرد بشر کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اس کے محل وقوع،اس کی تعمیر میں جوانانِ احمدیت کے نا قابلِ فراموش کردار اور محض اس کی عنایت سے وادی غیر ذی زرع اور پرہول اور کلرزدہ ویرانے کا شہر میں ڈھل جانے کا پرکیف نقشہ دکھلا دیا۔ناممکن ہے کہ کوئی مادی قلم اس سے زیادہ جامع اور بلیغ انداز میں مستقبل کی ایسی تصویر کھینچ سکے۔

اس پراسرار رویاء سے بالبداہت ثابت ہے کہ اللہ جلشانہ وعزاسمہ نے 20فروری 1886ء کو''تین کو چار کرنے والا ہوگا'' کے الفاظ میں جو عظیم الشان بشارت دی تھی ربوہ اس کی دلکش عملی تعبیر بھی ہے اور سیدنا محمودؓ کی حقانیت کا زندہ تابندہ نشان بھی۔

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے

چوتھی آسمانی خبر

خالدِ احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ''الفرقان'' مئی 1975ء کے اداریہ میں''دریائے چناب پر نورِ خدا کا نزول'' کے زیر عنوان لکھا

''راولپنڈی کے مشہور ماہنامہ فیض الاسلام میں جناب مولوی محمد فضل قدیر ظفر صاحب ندوی نے جناب سید محمد سلیمان ندوی کی مشہور تالیف سیرۃ النبیؐ مجلد سوم سے رویائے تمثیلی کے عنوان سے احادیث نبویؐ جمع فرمائی ہیں اور اسی سلسلہ میں انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے کے اپنے ایک رویا کا بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے۔تحریر فرماتے ہیں:

''پاکستان کی روز بروز گرتی ہوئی حالت میں میرے دل کو سہارا مل رہا ہے۔عالم بیداری میں ایک مشاہدہ سے۔ابھی تقسیم ملک کا معاملہ گومگو تھا کہ میں نوافل تہجد کے بعد تخت پر آنکھیں بند کئے ہوئے ذکر میں مشغول تھا۔جاگ رہا تھا اونگھ بھی نہیں رہا تھا دیکھا کہ لفظ خدا موٹے حروف میں چاندی رنگت میں آسمان سے نازل ہوکر دریائے چناب کے پانی پر اتر گیا۔میرا گھر تھا چناب سے تین سو میل مشرق میں کیتھل ضلع کرنال۔''

(رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی اپریل 1975ء صفحہ 22)

جناب ظفر ندوی صاحب اس سے آگے اس خواب کا کشف کا یوں استدلال فرماتے ہیں کہ:

''راقم نے چاندی کی روشنی میں اسم خدا کو آسمان سے آبِ چناب پر اترتا دیکھا تو میں اسے پاکستان کے حق میں بشارت کیوں نہ باور کروں؟ مجھے یاد ہے کہ مجھے یہ صبح صادق کے قریب یا کچھ دیر بعد نظر آیا تھا۔''

(رسالہ فیض الاسلام۔اپریل 1975ء صفحہ 23)

ہمارے نزدیک جناب ظفر ندوی صاحب کا یہ رویاء یقیناً سچا ہے اور اس کو پاکستان کے حق میں بھی بالواسطہ بشارت باور کرنا چاہئے مگر اس سے بھی بڑھ کر اور براہِ راست یہ رویا جماعت احمدیہ کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔ 47-1946 میں ندوی صاحب کو دکھایا جاتا ہے کہ دریائے چناب کے پانی پر اسم خدا چاند کے نور کے رنگ میں نازل ہوا ہے۔جب پاکستان کا قیام ہوا اور ملک تقسیم ہوا تو صرف ایک دینی جماعت یعنی جماعت احمدیہ کا مرکز دریائے چناب کے کنارے قائم ہوا۔اسی جماعت نے سچے معنوں میں ہجرت کرکے بے آب وگیاہ بنجر میں دریائے چناب کے کنارے نزول کیا۔''

بانی ربوہ کی پُرشوکت پیشگوئی

بانی ربوہ سیدنا فضل عمر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ (1889-1965ء) کی ایک پُرشوکت اور پرجلال پیشگوئی پر یہ مقالہ خصوصی ختم کیا جاتا ہے۔فرمایا

''ربوہ کے چپے چپے پر اللہ اکبر کے نعرے لگ چکے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے۔یہ بستی انشاء اللہ قیامت تک خدا کی محبوب بستی رہے گی یہ بستی انشاء اللہ کبھی نہیں اجڑے گی بلکہ قادیان کی اتباع میں اسلام اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو بلند سے بلند تر کرتی رہے گی۔''

(الفضل 11 جنوری 1957ء صفحہ 3 کالم 3)

☆☆☆☆☆

مکرم افضل ترکی صاحب

تعلیم الاسلام کالج کے سابق طالب علم مکرم افضل ترکی صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ مشرقی ترکستان کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے دادا کے بھائی الحاج بہاؤالدین صاحب کاشغر کے گورنر تھے۔ جنہیں بعد ازاں سلطنتِ برطانیہ کی طرف سے لداخ (کشمیر) میں گورنر مقرر کیا گیا۔ الحاج خانزادہ محمد افضل خان صاحب ترکی کی پیدائش 1933 کو لداخ میں ہوئی۔

آپ کو احمدیت کے بارے میں آگاہی سیدہ فضیلت بیگم صاحبہ کے ذریعہ ہوئی جو صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب کی خوش دامن تھیں۔ انہی کی تجویز پر مکرم ترکی صاحب تعلیم کے لئے ٹی آئی ہائی سکول چنیوٹ میں داخل ہوئے۔ دورانِ تعلیم، 20 ستمبر 1948 کو جب ربوہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو اس روز 16 سالہ نوجوان افضل ترکی صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے جماعتِ احمدیہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یوں آپ مرکزِ احمدیت ربوہ کا پہلا پھل قرار پائے۔

شعر و ادب کا ذوق و شوق آپ کو جواں عمری میں ہی ودیعت ہو گیا تھا جو 1952 سے 1954 تک تعلیم الاسلام کالج کے زمانہ طالب علمی میں مزید پروان چڑھا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان ترکی ہے نہ صرف اردو کا قادر الکلام شاعر بلکہ علمِ عروض کے بارے میں ایک کتاب کا مصنف بھی ہے۔ ربوہ کی یادوں کے حوالے سے آپ کی ایک نظم ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔

مجھے ربوہ کی بستی یاد آتی ہے

وفورِ علم سے معمور ہستی یاد آتی ہے
محبت ان کی آنکھوں سے برستی یاد آتی ہے
بڑا بے چین رکھتا ہے مجھے پہلو میں دل میرا
مری یادوں کی مجھ میں چیرہ دستی یاد آتی ہے
فضائے دہرِ ربوہ میں مسرّت ہی مسرّت تھی
وہاں پر بِن پیے چڑھتی تھی مستی یاد آتی ہے
عجیب انسان بستے تھے وہاں درویش صورت کے
مجھے فرقت میں اُن کی اونچی ہستی یاد آتی ہے
لٹا دیتے تھے وہ مال و متاع سب راہِ عقبیٰ میں
مگر دنیا میں اُن کی تنگ دستی یاد آتی ہے
انہیں پھولوں سے رغبت اور خوشبوؤں کی سیرت تھی
مگر کانٹوں کی تلخی اُن کو ڈستی یاد آتی ہے
وہاں وحشت زدوں کا آجکل ہنگامہ طاری ہے
تشدّد کی جہاں آتش برستی یاد آتی ہے
دہل جاتا ہے دل میرا اچانک بے خیالی میں
وہاں پر جب درندوں کی سی پستی یاد آتی ہے
مرے خوابوں میں اب بھی بے بسوں کی چیخ آتی ہے
یا اُن پر ظلم کی زنجیر کستی یاد آتی ہے
مجھے لندن میں ترکی! اور تو کچھ بھی نہیں آتی
جو آتی ہے تو بس ربوہ کی بستی یاد آتی ہے

کبھی رشوت لی؟

حضرت منشی اروڑے خان صاحبؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت منشی اروڑے خان صاحبؓ تھے اور انہوں نے بہت ہی معمولی ملازمت سے ترقی کی تھی۔ پہلے وہ کچہری میں چپڑاسی کا کام کرتے تھے۔ پھر اہلمد کا عہدہ آپ کو مل گیا اس کے بعد نقشہ نویس ہو گئے پھر اور ترقی کی تو سرشتہ دار ہو گئے اس کے بعد ترقی پا کر نائب تحصیل دار بنے اور پھر تحصیلدار بن کر ریٹائر ہوئے اور حکومت کی طرف سے آپ کو خان بہادر کا خطاب پانے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

آپ کی آخری عمر میں ایک نوجوان نے آپ سے سوال کیا بابا ملازمت میں کبھی رشوت تو نہیں لی تھی؟ حضرت منشی صاحبؓ کے چہرے پر جوش صداقت سے بھری ہوئی سنجیدگی طاری ہوئی اور فرمایا میں نے جب تک نوکری کی اور جس طرح اپنے فرض کو ادا کیا اور جس دیانت سے کیا اور جو فیصلے کئے اور جس صداقت اور ایمانداری کے ساتھ کئے اور پھر جس طرح ہر قسم کی نجاستوں سے اپنے دامن کو بچایا ہے یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اگر میں اپنے خدا سے دعا کروں تو ایک تیر انداز کا تیر خطا ہو سکتا ہے مگر میری وہ دعا ہرگز خطا نہیں ہو سکتی۔

(روزنامہ الفضل 17 جنوری 1976ء)

خلال کا تنکا

حضرت غلام رسول راجیکی صاحبؓ

حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ قادیان کے ایک احمدی دوست نے متعدد احمدی احباب کی دعوت کی۔ جن میں حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب اور مولوی حسن علی صاحب بھی تھے۔ جب دعوت سے فارغ ہو کر قیام گاہ کی طرف واپس آرہے تھے تو راستہ میں ایک مکان تھا۔ اس پر سرکنڈوں کا چھپر تھا۔ اس چھپر سے بعض سرکنڈے جو قریب اور نیچے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سرکنڈے سے مولوی حسن علی صاحب نے دانتوں کے خلال کے لئے ایک تنکا توڑ لیا۔ جب مولانا نور الدین صاحب نے مولوی حسن علی صاحب کو دیکھا کہ آپ نے خلال کے لئے تنکا توڑا ہے تو آپ کھڑے ہو گئے اور مولوی صاحب موصوف کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب حضرت مرزا صاحب کی صحبت کا اثر میرے قلب پر بلحاظ تقویٰ کے اس قدر پڑا ہے کہ جس تنکے کو آپ نے توڑا ہے میرا قلب اس کے لئے ہرگز جرأت نہیں کر سکتا بلکہ ایسے فعل کو خلاف تقویٰ اور گناہ محسوس کرتا ہے۔ اس پر مولوی حسن علی صاحب سخت متعجب ہو کر کہنے لگے۔ کیا یہ فعل بھی گناہ میں داخل ہے؟ میں تو اسے گناہ نہیں سمجھتا۔ حضرت مولانا نے فرمایا جب یہ سرکنڈا غیر کے مکان کی چیز ہے تو اس سے مالک مکان کی اجازت کے بغیر تنکا توڑنا میرے نزدیک گناہ میں داخل ہے۔ مولوی حسن علی صاحب کے قلب پر تقویٰ کے اس دقیق عملی نمونہ کا بہت بڑا اثر ہوا۔

(حیات نور صفحہ 195)